سود کی غلط تشریح

تالیف

فقیہ العصر حضرت مولانا

مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی

نوراللہ مرقدہ

فقیہ العصر مفتی سید عبد الشکور ترمذی قدس سرہ

سود کی غلط تشریح

زمین کو بٹائی پر دینا اور مکان کرائے پر چڑھانا درست ہے

روزنامہ جنگ لاہور ۲/نومبر ۱۹۸۱ء میں شائع شدہ مضمون ''سود کی مصطفوی تشریح'' نظر سے گزرا۔ مضمون نگار نے زمین کو بٹائی پر دینے اور مکان کرائے پر چڑھانے کو سود قرار دیا ہے۔ اس ضمن میں مضمون نگار نے سوشلسٹ نظام معیشت کا یہ اصول کہ معاوضہ محنت کا ہونا چاہیے سرمایہ کا معاوضہ درست نہیں بیان کرتے ہوئے اس کو اسلام کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور یہ سرخی جمائی ہے کہ ''بغیر محنت کے کمایا ہوا روپیہ سود کی آمدن میں شمار ہوتا ہے''۔ اسی اصول کی بناپر موصوف کے نزدیک مالک زمین کو زمین کی پیداوار کا حصہ اور مالک مکان کو مکان کا کرایہ لینا درست نہیں ہے۔ سوشلسٹ نظام کا اگر مذکورہ اصول تسلیم کرلیا جائے تو پھر تجارت اور مضاربت کو اسلام سے خارج کرنا پڑے گا اس لیے کہ تجارت میں معاوضہ سرمایہ کا ہی ہوتا ہے محنت کا نہیں ہوتا اور مضاربت میں بھی ایک شخص سرمایہ لگاتا ہے اور دوسرا محنت کرتا ہے اور نفع میں نسبت کے تعین کے ساتھ دونوں شریک ہوتے ہیں۔ مال کا مالک سرمائے کا معاوضہ لیتا ہے محنت اور سرمایہ کے اشتراک کی اسلام میں یہ ایک معروف و مشہور صورت ہے اس سے

واضح ہے کہ سرمائے کا نفع اسلام میں کسی شک وشبہ کے بغیر درست ہے اور مضمون نگار کا معاوضے کو محنت کے ساتھ مخصوص کر دینے کا نظریہ اسلام کے بالکل خلاف ہے۔ اشتراکی نظریہ کو اسلامی تعلیمات کے ہم آہنگ کرنے کی یہ ایک بھونڈی مثال ہے۔

موجودہ دور میں مروجہ اشتراکی اور سرمایادارانہ نظام ہائے معیشت بنیادی طور پر اسلامی نظام کے خلاف اور اس کی ضد ہے۔ اسلام اپنی امتیازی خصوصیات کے اعتبار سے ان دونوں نظاموں سے بالکل مختلف اور جداگانہ حیثیت کا حامل ہے مگر ہمارے یہاں ایک طبقہ کی برابر یہ کوشش جاری ہے کہ سرمایہ داری نظام کے بالمقابل کسی نہ کسی طرح اشتراکی نظام کو ہی اسلامی نظام کی جگہ قرار دے دیا جائے ۔اس لیے پاکستان میں جب بھی نظام اسلام کے لیے کوئی قدم اٹھایا جاتا ہے اور اس ملک کے مقصد قیام کی طرف جب بھی پیش قدمی کی جاتی ہے تو اس طبقہ کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اشتراکی نظام کو اسلام کے ہم آہنگ کر کے دکھلایا جائے اور اسلام میں سوشلزم کا پیوند لگا دیا جائے زیر تبصرہ مضمون بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

مضمون نگار نے لکھا ہے کہ ''ایسے تمام معاملات کہ جن میں بغیر کسی محنت کے منافع حاصل ہوں مثلاً آڑھت کا کاروبار اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود قرار دے دیا'' حالانکہ آڑھت کی ناپسندیدگی اور کراہت بعض علماء کے نزدیک اس وجہ سے ہے کہ وہ عقد اجارہ ہے اور عقد اجارہ میں مدت عمل کا تعین

ضروری ہے تا کہ اس کی نسبت سے معاوضہ مقرر ہو کر درست ہو سکے اور آڑھت میں چونکہ مدت عمل متعین نہیں ہوتی اس لیے اس کو ناپسند کیا گیا ہے۔ اگر عقد اجارہ کی تمام شرائط کا لحاظ کر کے یہ عقد کیا جائے تو درست ہے۔

مضمون نگار نے اس کی کراہت کی وجہ اس میں بغیر محنت کے نفع حاصل ہونا قرار دیا ہے یہ وجہ ان کی خود تراشیدہ ہے اور طبع زاد ہے اور حقیقت کے بھی خلاف ہے اس لیے کہ آڑھتی اپنی آڑھت کے عمل اور محنت کا معاوضہ لیتا ہے اس کو بغیر محنت کے نفع حاصل کرنا کس کی سمجھ میں آ سکتا ہے۔ پھر اگر کسی شخص کو کسی چیز کے بیچنے کا وکیل بنا دیا جائے اور وکیل کو اس کے کام کی اجرت دی جائے تو کیا یہ وکالت ہمارے مضمون نگار کے نزدیک ناجائز ہوگی؟ اور اس کو بغیر محنت کے نفع حاصل کرنا کہا جائے گا؟ اگر ایسا ہے تو پھر تو تمام باب وکالت ہی بند ہو جانا چاہیے۔

اسی طرح حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مزارعت کی جس صورت کا ممنوع ہونا معلوم ہوتا ہے وہ ایک خاص صورت ہے اس سے مزارعت کی تمام صورتوں کا ناجائز ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ ناجائز صورت یہ ہے کہ مالک زمین کے لیے کوئی معین حصۂ پیداوار مقرر کر دیا جائے مثلاً اس کھیت کا پیداشدہ دس من مالک زمین لے گا یا وہ فلاں معینہ قطعۂ زمین کی پیداوار لے گا۔ مزارعت کی یہ صورت سب کے نزدیک ناجائز ہے اور حضرت رافع رضی اللہ عنہ کی حدیث

کا بھی مطلب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث زیر سے واضح ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو جب حضرت رافع رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث پہنچی تو لوگوں کے پاس غرض تحقیق گئے اور حضرت رافع رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھیتوں کے کرائے پر دینے سے منع کیا ہے تو اس پر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تم کو معلوم ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اپنے کھیتوں کو اس پیداوار کے عوض کرائے پر دیتے تھے جو پانی کی نالیوں سے قریب پیدا ہو اور کچھ بھوسے کے عوض (بخاری ج ۱)

مطلب واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس اجارے زمین سے منع فرمایا ہے اس سے مراد ایسی صورت ہے جس میں زمین کے معین قطعے یا معین چیز کی شرط لگائی گئی ہو کیونکہ یہ شرط فاسد ہے اور شرط فاسد سے طے ہونے والا معاملہ چونکہ فاسد اور بحکم ربوا ہے اس وجہ سے زیر تبصرہ مضمون میں نقل کردہ حدیث رافع میں اس عقد مزارعت کو فسخ کرنے کا حکم فرمایا گیا اور اس کو ربوا قرار دیا گیا۔ غرضیکہ حضرت رافع رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مزارعت کی اس صورت کا ناجائز اور ربوا ہونا ثابت نہیں ہوتا جس میں پیداوار کا کوئی حصہ متعین نہ کیا گیا ہو اور نہ ہی زمین کا کوئی قطعہ مقرر کیا گیا ہو بلکہ کل پیداوار میں سے جزء مشاع آدھا یا تہائی یا چوتھائی وغیرہ حصے پر معاملہ کیا گیا ہو جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فتح خیبر کے بعد اس کی اراضی اور باغات کو مجاہدین میں تقسیم کر کے یہود خیبر کے ساتھ نصف پیداوار پر معاملہ طے فرمایا تھا خیبر کے اس معاملے سے جواز مزارعت پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی استدلال فرمایا ہے جیسا کہ امام طحاوی نے نقل کیا ہے۔

اور یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ انصار مدینہ نے جب اپنے باغوں کو مہاجرین پر تقسیم کرنے کا ارادہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روکنے پر انصار مدینہ نے مہاجرین کو ان کی محنت اور مزدوری کے بدلے میں پیداوار میں شریک کر لیا تھا (بخاری ج ۱ ص ۳۱۲) اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ مہاجرین کو باغوں میں محنت اور کام کرنے کے عوض پیداوار میں شریک کیا گیا اور انصار مدینہ مالک زمین ہونے کی وجہ سے پیداوار کے حصے کے حق دار قرار پائے۔

اب اگر یہ اشتراکی اصول تسلیم کر لیا جائے کہ بغیر محنت کے کمایا ہوا روپیہ سود کی آمدن میں شمار ہوتا ہے تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور انصار مدینہ کے بارے میں ہمارے مضمون نگار کیا حکم صادر کریں گے جو بغیر محنت کے اپنے زمین کی ملکیت کا حصہ وصول کرتے رہے؟ کیا اس آمدنی کو بھی اس اشتراکی اصول کے مطابق سود کی آمدنی قرار دے دیا جائے گا؟ ہمارے خیال میں ایسی جسارت کوئی مسلمان نہیں کر سکتا۔

اس تحریر بالا سے واضح ہو گیا کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی یہ

حدیث کہ ''جو مخابرہ کے معاملے کو نہ چھوڑے اس کو اللہ اور رسول کے ساتھ جنگ کے لیے تیار رہنا چاہیے'' میں مخابرہ سے مزارعت کی وہی صورت مراد ہے جس کا ذکر اوپر آ چکا مگر اس سے مزارعت کی ہر صورت کا ناجائز ہونا ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ مضمون نگار نے اس حدیث سے اس کو ثابت کرنا چاہا ہے۔

مضمون نگار نے لکھا ہے کہ سرمایہ داری کا دوسرا ذریعہ کرائے کے مکانات تھے یہ مکانات زیادہ تر مکہ شریف میں واقع تھے کیونکہ وہ ایک بین الاقوامی شہر تھا جہاں لوگ حج اور تجارت کے مقاصد کے لیے آتے جاتے تھے آپ نے مکے شریف کے مکانوں کا کرایہ بھی سود قرار دے کر مسلمانوں کو اس کے لینے سے منع کر دیا اور فرمایا کہ جس نے مکے شریف کی دکانوں کا کرایہ کھایا اس نے گویا سود کھایا (ہدایہ ص ۴۵۷)

ناظرین کے سامنے یہ عبارت پوری پیش کر دی گئی ہے اس سے ہر صاحب فہم سمجھ سکتا ہے کہ مکے شریف کے مکانات کو کرایہ پر دینے کی ممانعت اس بنا پر کی گئی ہے کہ حج کے دنوں میں حاجیوں کو تکلیف نہ ہو مگر اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ موسم حج کے علاوہ اور دنوں میں بھی مکے شریف کے مکانات کو کرایہ پر دینے ممنوع ہیں اور اس سے بڑھ کر مضمون نگار کا مدعا تو کسی طرح بھی ثابت نہیں ہو سکتا کہ ''ہر جگہ کے مکانات کو کرائے پر چڑھانا سود ہے''۔ اس لیے کہ مکے شریف کی طرح نہ تو دنیا کے دوسرے تمام شہر بین الاقوامی حیثیت کے حامل ہیں

اور نہ ہی ایام حج کی طرح دوسرے شہروں میں ایک فرض حج کی ادائیگی کے لیے لوگوں کے قیام کی حاجت ہوتی ہے یہ بھی خیال رکھنے کی بات ہے کہ مکے شریف کے مالک مکانات کو اپنے مکانات کی بیع وشراء جائز ہے اور حسب قواعد شرعیہ ان کو شفعے کا حق بھی حاصل ہے۔تو ایسی صورت میں ان کے لیے اپنے مکانات کو کرایہ پر دینا کیسے ممنوع ہوسکتا ہے؟۔